© rasailojaraid.com

بحث ونظر

اسلام میں مظلوم کو دفاع کا حق ہے

سید جلال الدین عمری

دنیا کا کوئی بھی شخص کسی بھی شخص پر کسی بھی قسم کی دست درازی کرے تو اسے دفاع کا حق ہے۔ اسے اس حق سے محروم کرنا ظلم کو تقویت پہونچانا ہے۔ جب بھی کسی نے ظلم کے سامنے خود سے گھٹنے ٹیک دیئے یا اسے اس پر مجبور کیا گیا تو تاریخ بتاتی ہے کہ ظالم کے حوصلے بڑھے اور ظلم میں اضافہ ہوا۔ اس سے مظلوم کی نفسیات بھی بدل جاتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ ظلم سہنا اور جور و ستم برداشت کرنا اس کا مقدر ہے۔ وہ بعض اوقات یہ ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا کہ ظلم و زیادتی کا جواب دینے کا بھی اسے حق حاصل ہے۔ وہ اس سے زیادہ اپنے آپ کو بے بس اور مجبور سمجھنے لگتا ہے جتنا فی الواقع بے بس اور مجبور نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی کبھی تو خود اس کی بزدلی اور نامردی ہی اسے مظلومی کے مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ اسلام اس دون ہمتی کا مخالف ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان نہ تو خود کسی پر ہاتھ اٹھائے اور نہ کسی دوسرے کو اپنے اوپر دست درازی کی اجازت دے۔ ظالم کے سامنے سپر نہ ڈالے بلکہ پامردی سے اس کا مقابلہ کرے۔ اس میں جیت گیا تو اپنا مقصد پالیا۔ ہار گیا تو شہید ہوا۔ ظاہر ہے شہادت وہ رتبۂ بلند ہے جو خوش قسمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانوں ہی کو ملتا ہے۔ حدیثوں میں صاف اور صریح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ انسان اپنے دین وایمان، جان ومال، زمین اور جائیداد، بیوی بچوں اور خویش واقارب کی حفاظت میں جان بھی دے سکتا ہے اور یہ جان دینا شہادت ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ سے روایت فرماتے ہیں:

من قتل دون مالہ فھو	جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے
شھید ومن قتل دون	وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت
دمہ فھو شھید ومن	میں مارا جائے وہ شہید ہے اور
قتل دون دینہ فھو شھید	جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں
ومن قتل دون اھلہ	مارا جائے وہ شہید ہے۔
فھو شھید [1]	

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے سوال کیا۔ اگر کوئی شخص میرا مال چھیننے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آپؐ نے فرمایا اپنا مال اسے مت دو۔ اس نے کہا اگر وہ مقابلہ پر اتر آئے؟ آپ نے فرمایا تم بھی مقابلہ کرو۔ اس نے عرض کیا اگر وہ مجھے مار ڈالے؟ ارشاد فرمایا شہادت پاؤ گے" اس نے کہا اگر میں اسے قتل کردوں؟ فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔[2]

اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے انسان آخری حد تک کوشش کرے گا۔ وقت ضرورت اس کے لئے پاس پڑوس کی، معاشرہ کی اور حکومت کی مدد بھی حاصل کرے گا۔ چنانچہ نسائی وغیرہ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اگر کچھ لوگ میرا مال

---

[1] ترمذی، ابواب الدیات۔ نسائی، کتاب المحاربہ۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی قتال اللصوص

[2] مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من قصد اخذ مال غیرہ الخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھیننا چاہیں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا انہیں اللہ کا حوالہ دو۔ اور سمجھاؤ۔ اس نے عرض کیا، اس پر بھی اگر وہ نہ مانیں تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا آس پاس کے مسلمانوں سے ان کے خلاف مدد طلب کرو۔ اس نے کہا اگر قریب میں کوئی مسلمان نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا حکومت سے مدد لو۔ اس نے عرض کیا اگر حکومت تک میں پہونچ نہ سکوں تو پھر کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اپنے مال کی حفاظت کے لئے تنہا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ یا تو تمہاری جان چلی جائے اور تمہارا شمار شہیدوں میں ہو جائے یا یہ کہ تمہارا مال محفوظ رہے[1]

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آدمی اپنی جان، مال، عزت و آبرو بیوی بچوں اور اپنے دین و ایمان کے دفاع کی کوشش میں جان بھی دے سکتا ہے اور یہ جان دینا شہادت ہے۔ یہ دفاع کرنے والے کا انجام ہے۔ اس کے برعکس اگر حملہ آور مارا جائے تو جہنم کا مستحق ہے۔ یہ جذبہ اگر پیدا ہو جائے تو انسان ظلم کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ جس شخص کے اندر یہ جذبہ ہو اس پر دست درازی کی کوئی ہمت بھی آسانی سے نہیں کر سکتا۔ علامہ شوکانی اس سلسلہ کی احادیث کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

واحادیث الباب مصرحۃ	اس باب کی احادیث صراحت
بان المقتول دون مالہ	کرتی ہیں کہ جو شخص اپنے مال، جان
ونفسہ واھلہ و	اہل وعیال اور دین کی حفاظت میں قتل
دینہ شہید وقاتلہ	کیا جائے وہ شہید ہے۔ اس کا قتل
اذا قتل فی النار لان	کرنے والا دوزخ میں جائے گا۔
الاول محق والثانی	اس لئے کہ پہلا شخص حق پر ہے اور

---

[1] نسائی، کتاب المحاربہ، باب ما یفعل من تعرض لمالہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبطل سلہ

دوسرا باطل پر

دفاع ایک قانونی حق

دفاع کا حق اسلام کے نزدیک ہر شخص کا ایک قانونی حق ہے۔ اس سے کوئی بھی شخص اسے باز نہیں رکھ سکتا فقہاء کا اتفاق ہے کہ دفاع کے سلسلہ میں حملہ آور کا جو نقصان ہو گا اس کی ذمہ داری دفاع کرنے والے پر عائد نہ ہو گی۔ اسے نہ تو کسی قسم کی سزا دی جائے گی اور نہ کوئی تاوان اسے اٹھانا پڑے گا۔ محدث ابن بطال کہتے ہیں حدیث میں جب یہ کہا گیا ہے کہ دفاع کرنیوالا اگر جان دے دے تو شہید ہے، اس سے از خود یہ بات نکلتی ہے کہ اگر وہ حملہ آور کو قتل کر دے تو (جس طرح مجاہد سے دیت یا قصاص نہیں لیا جاتا اسی طرح) اس سے بھی قصاص یا دیت نہیں لی جائے گی۔[2]

اپنی ذات کا دفاع

امام شافعی فرماتے ہیں کسی کی جان، مال اور بیوی بچوں پر حملہ ہو تو اسے دفاع کا حق ہے اگر اس کے نتیجہ میں حملہ آور قتل ہو جائے تو دفاع کرنے والے پر دیت

---

[1] نیل الاوطار ۶/۷۵ [2] فتح الباری ۵/۷۶ لیکن یہ استدلال کچھ زیادہ قوی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک شہید تو وہ ہے جو اللہ کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑ کر جان دیتا ہے۔ اسے شہادت کا اجر و ثواب بھی حاصل ہو گا اور شہید کے سلسلہ کے احکام کا تعلق بھی اسی سے ہے جیسے اسے غسل نہیں دیا جائے گا وغیرہ۔ ایک شہید وہ ہے جسے شہادت کے ثواب کی بشارت تو دی گئی ہے لیکن دنیوی احکام اس کے وہ نہیں ہیں جو پہلی قسم کے شہید کے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نووی، شرح مسلم ۱/۸۱) اسلئے دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جہاں تک دفاع کرنے والے [illegible] آرہی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا کفارہ واجب نہ ہوگا۔[1]

فقہ حنفی میں ہے کہ اگر کوئی شخص قتل کے ارادے سے کسی پر تلوار اٹھائے اور اسے اپنی جان بچانے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو کہ حملہ آور کو قتل کر دے تو مظلوم وہ قتل کرسکتا ہے۔ اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ فقہ حنفی میں مزید کہا گیا ہے کہ کسی مسلمان پر تلوار اٹھانا گویا مسلمانوں کی جماعت پر تلوار اٹھانا ہے۔ جس طرح جماعت پر تلوار اٹھانے والے کو قتل کیا جاسکتا ہے اسی طرح فرد پر تلوار اٹھانے والے کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔[2]

حملہ آور کوئی فرد ہو تو جس طرح دفاع کا حق ہے اسی طرح کوئی گروہ حملہ کرے تو بھی یہ حق باقی رہے گا۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

اگر ڈاکو کسی کی جان لینا چاہیں تو وہ ان کا مقابلہ کرے گا چاہے اسے اپنے دفاع میں انھیں قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے اس پر سب کا اجماع ہے۔[3]

کیا اپنی ذات کا دفاع واجب ہے؟

کیا یہ محض ایک قانونی حق ہے کہ آدمی اپنے دفاع میں حملہ آور کو قتل بھی کرسکتا ہے یا اس کے لئے ضروری ہے کہ حملہ آور کو قتل کئے بغیر اپنا دفاع نہ کرسکے تو اسے قتل کر دے؟ فقہ حنبلی میں اسے ایک حق کہا گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ آدمی اپنے اس حق کو لازماً استعمال کرے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

اپنی جان و مال کے دفاع کا انسان کو حق حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں اگر وہ حملہ آور کو مجبوراً قتل بھی کر دے تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا لیکن جان و مال کا دفاع واجب

---

[1] فتح الباری ۵/۷۶ [2] در المختار مع رد المحتار ۵/۳۸۱

[3] فتاویٰ ابن تیمیہ طبع جدید ۳۴/۲۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے۔[1]

لیکن امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :۔

اپنی ذات کے دفاع کو واجب بھی کہا گیا ہے اور عدم وجوب کے بھی لوگ قائل ہیں۔ امام احمدؒ سے دونوں ہی رائیں منقول ہیں۔[2]

احناف کے نزدیک جان کا دفاع واجب ہے۔ حملہ آور کو قتل کر کے آدمی اپنی جان بچا سکتا ہو تو اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ ورنہ آدمی گناہ گار ہوگا۔[3]

مال کا دفاع

جان کے دفاع کی طرح مال کے دفاع کا بھی ہر شخص کو قانوناً حق حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک چور کو دیکھا تو تلوار کھینچ لی۔ راوی کا بیان ہے کہ اگر ہم انھیں چھوڑ دیتے اور قتل سے باز نہ رکھتے تو اسے وہ قتل ہی کر ڈالتے۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا اگر میرے گھر چور گھس آئے اور اس کے ہاتھ میں لوہا (ہتھیار) بھی ہو تو کیا میں اسے قتل کر دوں؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں! جس طرح بھی تم اسے قتل کر سکو کر دو۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں اگر ڈاکوؤں کا کوئی گروہ تمہاری جان یا تمہارا مال لینا چاہے تو تم اپنی جان اور مال کی حفاظت میں اس سے قتال کرو۔

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں فرقہ حروریہ کے لوگوں اور ڈاکوؤں سے قتال کو کسی نے گناہ سمجھ کر نہیں چھوڑا۔ یہ بات اور ہے کوئی شخص بزدلی دکھائے۔[4]

فقہ حنفی میں ہے کہ۔

---

[1] المغنی ۸/۳۲۲ [2] فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۴/۲۴۲ [3] الکفایہ علی الھدایہ ۵/۱۲۶ [4] المغنی لابن قدامہ ۸/۳۲۹-۳۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر رات میں کوئی شخص کسی کے گھر گھس کر مال و اسباب چرا رہا ہو یا چرانے کا ارادہ کر رہا ہو تو اسے قتل کر سکتا ہے۔ اسی طرح مال و اسباب لے کر اگر وہ فرار ہونے کی کوشش کرے تو اس کا پیچھا کر کے بھی قتل کر سکتا ہے۔ اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا[۵]

مال کے دفاع کے بارے میں ایک سوال یہ ہے کہ کیا آدمی تھوڑے سے مال کے لئے بھی دفاع کر سکتا ہے یا اس کے لئے مال کی کوئی خاص مقدار ہونی چاہیے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ناحق کسی کا مال لینا چاہے تو اسے وہ قتل (بھی) کر سکتا ہے چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ اس لئے کہ احادیث میں اس طرح کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ الفاظ عام ہیں یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ امام مالک کے بعض تلامذہ نے کہا ہے مال اگر تھوڑا ہو تو چھیننے والے کو قتل نہیں کیا جا سکتا لیکن صحیح بات وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے[۶]

فقہ حنفی میں بھی ایک رائے یہ ہے کہ مال دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کا ہو ایک رائے میں اتنا ہو جس سے نصاب واجب ہو جائے تو آدمی اسے بچانے کے لئے حملہ آور کو بوقت ضرورت قتل بھی کر سکتا ہے۔ اس سے کم ہو تو وہ حملہ آور کا مقابلہ تو کر سکتا ہے لیکن اس کی جان لینا صحیح نہیں ہے لیکن احناف کے ہاں بھی ترجیح اسی کو حاصل ہے کہ نصاب سے کم مال کے لئے بھی آدمی حملہ آور کا مقابلہ کرنے اور اسے قتل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لئے کہ احادیث میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے[۷]

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

اگر ڈاکو زبردستی کسی کا مال لینا چاہیں تو ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے

---

[۵] ہدایہ ۴/۵۶۵ ردالمحتار ۵/۴۸۲ [۶] شرح مسلم ۱/۸۱ [۷] ردالمحتار ۵/۴۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنا تھوڑا سا مال بھی ان کے حوالہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ وہ ان کو جہاں تک ہوسکے آسان طریقے سے بھگانے کی کوشش کرے لیکن دفاع میں ڈاکوؤں میں سے کوئی مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ صاحب مال سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔[1]

جمہور کی رائے کے حق میں ایک بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ مال کی اہمیت اصلاً افراد کے لحاظ سے متعین ہوتی ہے ہو سکتا ہے ایک شخص کے لئے دس درہم کی وہ اہمیت ہو جو دوسرے کے لئے سو درہم کی بھی نہ ہو۔

کیا مال کا دفاع واجب ہے

امام ابن تیمیہ اپنی سابقہ بحث ہی کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

مال کا دفاع واجب نہیں ہے اس لئے چاہے تو وہ ڈاکوؤں سے مقابلہ کئے بغیر ہی اپنا مال ان کے حوالہ کر سکتا ہے۔[2]

امام نووی فرماتے ہیں۔

مال کا دفاع جائز ہے واجب نہیں ہے۔[3]

بعض علماء نے مال کے دفاع کو بھی واجب قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مال کے دفاع میں اگر حملہ آور سے مقابلہ بھی کرنا پڑے تو اسے لازماً مقابلہ کرنا چاہیے۔ غالباً ان حضرات کا استدلال حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے ہے جس میں حملہ آور کا مقابلہ کرنے اور مال اس کے حوالہ نہ کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔[4]

خاندان اور بیوی بچوں کا دفاع

انسان کا معاشرے میں قریب ترین تعلق بیوی، بچوں اور خاندان والوں

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۴۲/۳۴ [2] حوالہ سابق [3] شرح مسلم ۸۱/۱ [4] نیل الاوطار: ۷۵/۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہوتا ہے۔ ان کی بہت سی اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں ان پر کوئی نازک وقت آ جائے تو وہ اپنی جان کی بھی بازی لگا سکتا ہے اور اپنا مال بھی لٹا سکتا ہے۔ ان کا دفاع اگر قانون کے حدود میں ہو تو اسلام نے اس کی تعریف کی ہے۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے۔

خیرکم المدافع	تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے
عن عشیرتہ	خاندان کا دفاع کرے، جب تک
مالم یأثم [1]	کہ دفاع کے سلسلے میں وہ گناہ کا ارتکاب
	نہ کرنے لگے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ مناوی کہتے ہیں

...... فیرد عنھم	...... وہ خاندان والوں کے مال،
من ظلمھم فی	عزت آبرو اور جسم وجان پر حملہ ہو تو
مال او عرض او بدن	اس کا جواب دیتا اور دفاع کرتا ہے
.... مالم یظلم الدافع	..... دفاع کرنے والا اس وقت
فی دفعہ بان تعدی	تک قابل تعریف ہے جب تک
الحد الواجب فی	کہ وہ اس معاملہ میں حد واجب سے
الدفع [2]	آگے نہ بڑھے۔

جہاں تک بیوی بچوں کے دفاع کی قانونی حیثیت کا تعلق ہے اس کے بارے میں علامہ نووی کہتے ہیں۔

..... واما المدافعۃ	جہاں تک بیوی بچوں کی طرف سے

---

[1] ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی العصبیۃ۔ اس کے ایک راوی ایوب بن سوید کو امام ابوداؤد نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2] التیسیر بشرح الجامع الصغیر ۱/۵۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن الحريم فواجبة — دفاع کا تعلق ہے اس کے واجب
بلا خلاف [1] — ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔
بیوی بچوں کے دفاع کے سلسلے میں بعض تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

عفت وعصمت کا دفاع

عفت وعصمت بھی انسان کا ایک بنیادی حق ہے۔ اس پر حملہ ہو تو وہ آخری حد تک دفاع کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں حملہ آور کو جو نقصان پہونچے گا اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہ ہوگی۔ فقہ حنفی میں ہے۔

اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زبردستی زنا کرنا چاہے اور اسے یقین ہو کہ چیخ پکار یا مار پیٹ سے وہ نہیں بھاگے گا تو اسے وہ قتل کر سکتی ہے اس سلسلہ میں مقتول کا خون رائیگاں جائے گا۔ یہی حق کم عمر لڑکے کو بھی حاصل ہوگا جس کے ساتھ زبردستی بدفعلی کی کوشش کی جائے [2]

امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر برے ارادے سے حملہ کرے اور وہ اپنی عفت کے تحفظ کی خاطر اسے قتل کر دے تو کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا اگر عورت کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ اس کی عصمت دری ہی چاہتا ہے تو اسے وہ قتل کر سکتی ہے۔ اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے حضرت عمرؓ کے ایک فیصلہ کا بھی ذکر فرمایا کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ بدکاری کرنی چاہی تو اس نے پتھر سے مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم اس کی دیت نہیں دی جائے گی [3]

---

[1] شرح مسلم ۸۱/۱ — [2] در المختار مع رد المحتار ۲۴۸/۳
[3] المغنی ۳۳۱/۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا عفت وعصمت کا دفاع واجب ہے؟

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرنا چاہے تو اس کے لئے دفاع واجب ہے۔ اس لئے کہ کسی کو عصمت دری کا موقعہ دینا حرام ہے۔ دفاع نہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ عورت ایک طرح سے حملہ آور کو اس کا موقع دے رہی ہے[1]

عزت وآبرو کا دفاع

ہر انسان چاہتا ہے کہ سوسائٹی میں عزت اور وقار کی زندگی گزارے اسے کسی طرح ذلیل اور رسوا نہ کیا جائے اور اسے یہ حق حاصل ہو کہ اس کی عزت وآبرو پر دست درازی ہو تو وہ قانونی چارہ جوئی کر سکے۔ اسلام اس کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی پوری پوری حفاظت کرتا ہے۔

اسلام نے جان، مال، بیوی بچوں اور عفت وعصمت پر حملہ ہو تو حملہ آور کو قتل کرنے کی بھی اجازت دی ہے لیکن اگر کسی کی عزت وآبرو پر حملہ ہو اور اسے رسوا کیا جائے تو اس کی ہدایت ہے کہ عدالت کی طرف رجوع کیا جائے اور عدالت اس سلسلہ میں قانون کے مطابق اقدام کرے۔ دونوں صورتوں میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ جان، مال اور عفت وعصمت کے تحفظ میں ذرا بھی تاخیر ہو تو اس کے لٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن عزت وآبرو کا معاملہ اس سے ذرا سا مختلف ہے۔ اس میں عدالت سے چارہ جوئی کی جا سکتی ہے اور عدالت کے فیصلہ کرنے تک متعلقہ فرد کا اتنا بڑا نقصان نہیں ہے کہ اسے برداشت نہ

---

[1] حوالہ سابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا جا سکے اور اسے ملزم کے بارے میں خود کسی اقدام کی اجازت دے دی جائے۔

زنا کی تہمت اور اس کی حد

اسلام نے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہمیت زنا اور بدکاری کے الزام کو دی ہے اگر یہ الزام کسی پر لگایا جائے تو ملزم کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ثبوت میں چار گواہ پیش کرے، ورنہ اس پر حد قذف جاری ہوگی، جو اسّی کوڑے ہے اور پھر اسے سوسائٹی میں ہمیشہ کے لئے ناقابل اعتبار سمجھا جائے گا اور کسی معاملہ میں اس کی شہادت تسلیم نہیں کی جائے گی چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ	لگائیں اور پھر چار گواہ نہ پیش کریں تو
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ	انھیں اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی
ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا	گواہی کبھی قبول مت کرو۔ یہ لوگ فاسق
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ج وَاُولٰٓئِكَ	ہیں لیکن وہ لوگ جو اس کے بعد توبہ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ	کریں اور اپنی اصلاح کریں (تو اللہ
تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا	انھیں معاف کرے گا) بے شک
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور ۴-۵)	اللہ غفور و رحیم ہے۔

قذف کے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر فقہاء نے تفصیل سے بحث کی ہے یہاں بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ زنا کا الزام عورت پر لگایا جائے یا مرد پر، الزام لگانے والا اگر ثبوت فراہم نہ کر سکے تو اسی کوڑے کی سزا دی جائے گی۔

۲۔ یہ سزا اسی وقت دی جائے گی جب کہ 'مقذوف' (وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہے) سزا کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واذا قذف الرجل رجلا محصنا او امراة محصنة بصريح الزنا وطالب المقذوف بالحد حده الحاكم ثمانين سوطاً [1]	کوئی شخص کسی پاک دامن مرد یا کسی پاک دامن عورت پر صراحت کے ساتھ زنا کی تہمت لگائے اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ اس بات کا مطالبہ کرے کہ تہمت لگانے والے پر حد جاری کی جائے تو حاکم وقت اس پر اسی کوڑے کی حد نافذ کرے گا۔

ابن عربی مالکی کہتے ہیں:

انه لا يقيمه الامام الا بمطالبة المقذوف عند الجمهور [2]	جمہور کے نزدیک امام حد قذف اسی وقت نافذ کرے گا جب کہ وہ شخص اس کا مطالبہ کرے جس پر تہمت لگائی گئی ہے۔

۳۔ زنا کا الزام امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک صراحت کے ساتھ ہونا چاہئے ورنہ اسے قذف نہیں کہا جائے گا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں تعریض بھی صراحت ہی کے حکم میں ہے [3]

۴۔ قذف کی سزا اسی شخص کو دی جائے گی جو کسی آزاد مسلمان پر زنا کا الزام لگائے [4] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم یا غلام پر زنا کی تہمت لگانے والے کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اس پر حد قذف نہیں جاری ہوگی۔ اس طرح کے مواقع پر اسلام نے ریاست کو تعزیری کارروائی کا اختیار دیا ہے۔ یہ اس

---

[1] ہدایہ ۲/۵۰۹ [2] احکام القرآن ۲/۸۸ [3] ابن عربی، احکام القرآن: ۲/۸۷، مزید تفصیل کے لئے دیکھی جائے المغنی ۸/۲۲۱-۲۲۳ [4] ہدایہ ۲/۵۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صوابدید پر ہے کہ ملزم کو کیا سزا دے اور کتنی سزا دے؟[1]

۵۔ اسی طرح جس پر تہمت لگائی جائے اس کا عاقل، بالغ اور باعصمت ہونا بھی ضروری ہے[2]

۶۔ تہمت لگانے والا آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، یا ریاست کا مسلم شہری ہو یا ذمی سب پر حد جاری کی جائے گی[3]

جمہور کے نزدیک دوسرے حدود کی طرح غلام کی حد قذف بھی آدھی ہوگی۔ لیکن بعض لوگوں نے حد قذف اور دوسرے حدود میں فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حد قذف غلام کی بھی پوری ہوگی[4]

۷۔ اگر ایک شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے اور دوسرا اس کے جواب میں اس پر زنا کا الزام لگائے تو دونوں پر حد جاری کی جائے گی[5]

۸۔ جس شخص پر حد قذف جاری ہو جائے جب تک وہ توبہ نہ کرلے اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی البتہ توبہ کے بعد امام مالک اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ لیکن امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف امام محمد، امام زفر، امام ثوری فرماتے ہیں کہ حد قذف جاری ہونے کے بعد توبہ کے بعد بھی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ البتہ کسی دوسرے جرم میں حد جاری ہوئی ہے تو توبہ کے بعد شہادت قبول کی جائے گی[6]

۹۔ زنا کے علاوہ دوسرے الزامات پر امام کی طرف سے تعزیر ہوگی حد نہیں جاری کی جائے گی[7]

---

[1] ردالمحتار علی الدر المختار ۲/۲۳۱ [2] ہدایہ ۲/۵۰۹ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو در المختار مع ردالمحتار ۳/۲۳۲ [3] درالمختار مزید تفصیل کے لئے دیکھی جائے ردالمحتار ۳/۲۳۱ [4] نیل الاوطار ۷/۸۳ [5] ہدایہ ۲/۵۱۲ [6] احکام القرآن: جصاص ۳/۲۲۶ اور اس کے بعد۔
[7] ملاحظہ ہو درالمختار مع ردالمحتار ۳/۲۵۱ اور اس کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیوی پر زنا کی تہمت اور اس کے احکام

ایک شخص جس طرح دوسرے پر زنا کی تہمت لگا سکتا ہے اسی طرح اپنی بیوی پر بھی لگا سکتا ہے۔ اس صورت میں بھی اسے چار گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ اگر وہ چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اسے چار بار اپنے دعوی کی تائید میں قسم کھانی ہوگی۔ اس سے اگر وہ انکار کر دے تو اس پر حد قذف جاری کی جائے گی۔ اگر وہ قسم کھالے تو بیوی سے کہا جائے گا کہ وہ اپنی پاک دامنی پر چار بار قسم کھالے، اگر وہ اس سے انکار کر دے تو اس پر زنا کی حد جاری کر دی جائے گی، لیکن اگر وہ چار بار قسم کھالے تو میاں بیوی کے درمیان ہمیشہ کے لئے تفریق کرا دی جائے گی۔ اسی کو "لعان" کہا جاتا ہے۔ سورہ نور میں اس کی تفصیل ہے۔ فرمایا:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ

جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کا) الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک کی شہادت یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیْھَا اِنْ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (النور: ۷-۱۰)

پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ شخص (اپنے الزام میں) سچا ہو۔

اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ میں فواحش کا چرچا نہ ہو، گندی باتیں نہ پھیلیں اور کسی کی عزت و آبرو سے نہ کھیلا جائے اسی لئے اس نے زنا کے الزام کو ثابت کرنے کے لئے چار عینی گواہوں کی شرط لگائی ہے۔ لیکن میاں بیوی کے رشتہ میں خاص قسم کی نزاکت پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی یہ شرط رکھی جاتی تو اس کا یہ مطلب یہ ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو بدکاری میں ملوث دیکھے وہ چار گواہ فراہم نہ کر سکے تو حد قذف کے ڈر سے سکوت اختیار کرے اور ایک بدکار بیوی کے ساتھ زندگی گزارے جو کسی شریف آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ اگر آدمی چار گواہ پیش نہیں کر سکتا تو چار بار قسم کھا کر اپنے دعویٰ کو مضبوط اور مؤکد کرے ظاہر ہے جب تک آدمی خدا کے خوف سے بالکل ہی بے نیاز نہ ہو جائے اپنی بیوی پر جھوٹا الزام نہیں لگا سکتا اور لگائے بھی تو عدالت میں جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اس پر اصرار نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ عورت کو بھی یہ حق دیا گیا کہ وہ قسم کھا کر اس کے الزام کی تردید کر سکتی ہے۔ اگر اس نے تردید کر دی تو ایک بد اخلاق اور بے ایمان شوہر سے ہمیشہ کے لئے اسے چھٹی مل جائے گی۔

یہ ایک خاص پہلو ہے جس میں آدمی کوئی عملی اقدام کئے بغیر حکومت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کا تعلق جذباتی بھی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ آدمی جب یہ دیکھے کہ اس کی بیوی کسی غیر کے آغوش میں ہے تو وہ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو قتل کر دے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ فراہم کر سکے۔ اس میں جہاں اس کا امکان ہے کہ بیوی کی مرضی شامل ہو وہیں اس کا بھی امکان ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو۔ یہ ایک طرف تو مرد کی عزت و آبرو کا مسئلہ ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری طرف اس طرح کے کسی بھی اقدام میں عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی کا بھی خطرہ ہے۔ فقہاء نے اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی ہے۔

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو بدکاری کرتے دیکھے تو اسے قتل کر دے یا وہ حد شرعی کا مستحق ہو گیا ہو تو اس پر خود سے حد نافذ کر دے یا یہ کہ یہ کام صرف حکومتِ وقت کا ہے؟ بعض لوگوں کے نزدیک اس کا جواب حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت میں ہے جو انھوں نے حضرت سعد بن عبادہؓ کے متعلق بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو بدکاری کرتے دیکھوں تو کیا چار گواہوں کی تلاش میں اسے اسی حال میں چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! تمہیں یہی کرنا ہوگا۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے، میں تو پہلے تلوار سے اسے ٹھیک کر دوں گا۔ آپ نے انصار سے خطاب کرکے فرمایا۔ دیکھو تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟ سعد بے شک غیرت مند ہیں لیکن میں ان سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تو مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے کھلے چھپے ہر طرح کے فواحش کو حرام قرار دیا ہے (اس کا یہی حکم ہے کہ اس صورت میں چار گواہ پیش کئے جائیں) [1]

یہ حدیث اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ علامہ زرقانی کہتے ہیں:-

وفی حدیث الباب النھی — اس حدیث میں اس بات کی ممانعت

---

[1] بخاری، کتاب المحاربین، باب من رأی مع امراتہ رجلا فقتلہ، مسلم، کتاب اللعان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن اقامة حد	ہے کہ حاکم کے علاوہ کوئی شخص
لغير سلطان ولا شهود	اور گواہوں کے بغیر کوئی حد شرعی نافذ
وقطع الذريعة	کرے (اس طرح حدیث میں) مجرد
الى سفك الدماء	دعویٰ کی بنیاد پر کسی کا خون بہانے
بمجرد الدعوى [1]	کا راستہ ہی بند کر دیا گیا ہے۔

لیکن جمہور علماء نے اس صورت میں آدمی کے اس حق کو تسلیم کیا ہے کہ وہ بیوی کو اور اس کے ساتھ بدکاری کرنے والے کو قتل کر دے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ شوافع میں سے بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ جو شخص حاکم کے حکم کے بغیر شادی شدہ زانی کو بھی قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس لیے کہ حدود کا نفاذ حاکم کا کام ہے۔ فرماتے ہیں لیکن صحیح رائے جمہور کی ہے۔ بعض اسلاف سے اس کا ثبوت بھی ہے کہ انھوں نے اسی طرح زنا کرنے پر زانی کو قتل کیا ہے۔[2]

اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے اور تم اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ جب گھر میں تانک جھانک کرنے والے کی آنکھ پھوڑی جا سکتی ہے تو جو شخص کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرے اسے قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن تیمیہ کا اسی طرف رجحان ہے۔[3]

۲۔ حضرت سعد بن عبادہؓ سے متعلق روایت سے یہ استدلال بھی کیا

---

[1] زرقانی علی الموطا ۳/۱۹۴ نیز ملاحظہ ہو ۴/۱۶ [2] شرح مسلم ۱/۴۸۸-۴۸۹

[3] فتاویٰ ابن تیمیہ ۴/۲۱۸۔ خلوت اور تنہائی (Privacy) بھی انسان کا ایک حق ہے۔ حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔ فقہاء نے اس کی قانونی حیثیت سے بھی بحث کی ہے یہاں ہم اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے اور یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اسے اپنی بیوی کے ساتھ زنا کرتے دیکھا تھا تو اسے چار گواہ پیش کرنے ہوں گے ورنہ اس کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ امام نووی نے اسے جمہور کی رائے قرار دی ہے [۱]

اس کی تائید حضرت علیؓ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر ایک شخص گھر میں داخل ہوا اور اپنی بیوی کو دوسرے کے ساتھ دیکھ کر ان میں سے ایک کو یا دونوں کو قتل کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اسے چار گواہ پیش کرنے ہوں گے ورنہ اس سے قصاص لیا جائے گا [۲]

فقہ حنبلی میں اس مسئلہ میں دو گواہوں کو بھی کافی سمجھا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ چار گواہوں کی ضرورت جرم زنا کے اثبات کے لئے ہے۔ یہاں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ عورت کے ساتھ ایک غیر آدمی موجود تھا۔ اس کے لئے دو گواہ بھی کافی ہیں [۳]

یہ بات صحیح ہے کہ کوئی بھی دعویٰ ثبوت کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا لیکن اس مسئلہ کی نزاکت اور معاشرتی پیچیدگیوں کے پیش نظر یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ اگر مطلوبہ گواہ موجود نہ ہوں اور دوسرے قرائن و شواہد دعویٰ کی تائید کر رہے ہوں تو کیا وہ بھی قابل غور قرار دیئے جا سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں ایک اہم

---

[۱] شرح مسلم ۱/۴۸۸ [۲] مؤطا امام مالک، کتاب الاقضیہ، القضاء فی من وجد مع امرأتہ رجلاً۔

[۳] اسے ابن قدامہ حنبلی نے فقہ حنبلی کی ایک رائے کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ المغنی ۸/۳۳۲ لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ امام احمد اور امام اسحٰق اور ان کے متبعین کی رائے ہے۔ مالکیہ میں سے بھی بعض نے اس کی تائید کی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ زانی شادی شدہ ہو۔ نیل الاوطار ۷/۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات کہی گئی ہے۔ وہ یہ کہ اس صورت میں قاتل کے پاس ثبوت نہ ہو تو مقتول کو دیکھا جائے۔ اگر وہ اپنی بدکاری اور غلط روی میں مشہور ہے تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا البتہ دیت لی جائے گی۔ اس لئے کہ مقتول کی اخلاقی حالت نے قصاص کے بارے میں تو شبہ پیدا کر دیا ہے دیت میں شبہ نہیں ہے[1]

قتل کی جگہ دیت کی تائید حضرت عمرؓ کے ایک فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھا تو دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں علانیہ طور پر تو یہ لکھا کہ اس سے قصاص لیا جائے پھر چپکے سے ایک دوسرا خط لکھا کہ اس کی دیت دے دی جائے[2]

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ گواہوں کی عدم موجودگی میں قرائن کی بنیاد پر فیصلہ ہونا چاہئے تو بعض لوگ اس کے بھی قائل رہے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں۔

وقال بعض السلف	سلف میں سے بعض نے کہا ہے
لا یقتل اصلاً ویعذر	کہ اسے اپنے اقدام میں معذور سمجھا
فی ما فعله اذا ظهرت	جائیگا اور اسے بالکل قتل نہیں کیا جائیگا
امارات صدقه[3]	بشرطیکہ اس بات کے آثار موجود ہوں
	کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے۔

۳۔ گواہوں کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ مقتول نے انتقال

---

[1] در المختار مع رد المحتار ۳/۲۴۸-۲۴۹ [2] حافظ ابن حجر اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ امام عبد الرزاق نے سند صحیح کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن المنذر کہتے ہیں۔ جاءت الاخبار عن عمر فی ذلک مختلفة وعامة اسانیدها منقطعة فتح الباری ۱۲/۱۸۲ [3] نیل الاوطار ۷/۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلے جرم کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اگر اس نے جرم کا اعتراف کر لیا ہے تو گواہوں کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔[1]

۴۔ امام نووی فرماتے ہیں قاتل کے دعوے کو مقتول کے اولیاء (ورثاء) تسلیم کریں تو بھی اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔[2]

فقہ حنبلی میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ اس کی دلیل میں حضرت عمرؓ کے ایک فیصلہ کو پیش کیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک شخص خون آلود تلوار لئے ہوئے آیا ان کے پاس بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ اتنے میں کچھ لوگ آئے اور شکایت کی امیر المومنین! اس شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ہمارے آدمی کو بھی مار ڈالا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی رانوں پر تلوار چلائی سان کے درمیان جو شخص تھا وہ قتل ہو گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ کیا اس کی بات صحیح ہے؟ انھوں نے اس کی تصدیق کی تو آپ نے اس سے فرمایا اگر وہ پھر یہ حرکت کریں تو تم بھی یہی کرو۔[3]

اس واقعہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس وجہ سے قتل کر دے کہ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی اور مقتول کا ولی اسے تسلیم کرلے تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن اگر مقتول کا ولی اس کے دعوی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور وہ گواہ بھی نہ فراہم کر سکے تو اس سے قصاص

---

[1] نیل الاوطار ۷/۶۳ [2] شرح مسلم ۱/۴۸۸

[3] المغنی ۸/۳۲۲ حضرت عمرؓ سے اس سلسلہ میں منقول روایات کے بارے میں علامہ ابن المنذر کی رائے گزر چکی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کی سندیں بھی منقطع ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا جائے گا۔ حضرت علیؓ کے فیصلہ (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) کا تعلق اسی صورت سے ہے[1]

۵۔ مقتول کے بارے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے شادی شدہ یا بے شادی شدہ ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں۔ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے شادی شدہ کی سزا تو موت (رجم کی صورت میں) رکھی ہے لیکن بے شادی شدہ کی سزا اسّی کوڑے ہیں۔ کیا کسی کو یہ حق ہے کہ جس شخص کی سزا از روئے شرع سو کوڑے ہوں اسے وہ قتل کر دے؟

شوافع کے نزدیک مقتول کو شادی شدہ ہونا چاہئے ورنہ قاتل سے قصاص لیا جائے گا[2]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زانی محصن کی سزا چونکہ شریعت نے موت (رجم) تجویز کی ہے اس لئے ایک مخصوص صورت حال میں کوئی اسے قتل کر دے تو اس سے باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ چار گواہ فراہم کر دے۔ یہ

امام شافعی فرماتے ہیں اگر مقتول شادی شدہ ہے اور اس نے اس طرح مجامعت کی ہے کہ اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے تو قاتل کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے (وہ اسے معاف کر سکتا ہے) لیکن دنیا میں فیصلہ گواہوں کی بنیاد پر ہوگا[3]۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ حد ہے تو حد رجم کی صورت میں ہونی چاہئے۔ اس میں ترمیم کا کسی کو حق نہیں ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے اس مخصوص صورت حال میں آدمی کو یہ حق ہے کہ زانی چاہے محصن ہو یا غیر محصن اسے وہ قتل کر دے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ حد زنا نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حد ہوتی تو اس کو صرف حکومت نافذ کر سکتی تھی۔ اس کا تعلق امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے۔ جب کسی منکر کے ازالہ کی سوائے

---

[1] المغنی ۸/۳۳۲-۳۳۳ [2] شرح مسلم ۱/۴۸۸ [3] معالم السنن ۴/۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے کوئی صورت نہ ہو کہ اس کے ارتکاب کرنے والے کو قتل کر دیا جائے تو اس کا قتل کرنا کسی بھی فرد کے لئے جائز ہے۔[1]

۶۔ جس شخص کو عین حالت زنا میں دیکھا گیا ہو یا کم از کم جو مبادیات زنا (جیسے بوس و کنار) کا ارتکاب کر رہا ہو، اس میں اور اس شخص میں جو اسی قصد و ارادہ سے کہیں پہونچا ہو یا کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں یا جنگل و بیابان میں ہو کوئی فرق ہے یا نہیں ہے؟

پہلی صورت کے بارے میں فقہ حنفی میں کہا گیا ہے اگر کوئی شخص کسی کو اس حالت میں دیکھے اور وہ یہ سمجھے کہ قتل کئے بغیر اسے زنا سے روکا نہیں جا سکتا تو اسے وہ قتل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر دوسری صورت ہو تو فقہاء احناف میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ اسے بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ بعض دوسروں کی رائے یہ ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ اسے پہلے ڈرایا اور دھمکایا جائے۔ اس سے اگر وہ اپنے ارادہ سے باز آجائے ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ ڈرائے دھمکائے بغیر اقدام قتل صحیح نہیں ہے۔[2]

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے عملاً زنا نہیں کیا۔ صرف اس غرض سے پہونچا تھا اور اسے کسی نے قتل کر دیا تو اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس سے توبہ کرے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسے کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا یا نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ وہ کفارہ ادا کرے (اسے قتل خطا سمجھا جائے اس لئے کہ) قتل عمد میں جمہور کے نزدیک کفارہ نہیں ہے۔[3]

---

[1] درالمختار مع ردالمحتار ۲۴۹/۳ [2] ردالمحتار ۲۴۸/۳ [3] فتاوی ابن تیمیہ ۳/ ۱۶۹ - ۱۷۰ [4] قتل خطا کا کفارہ سورہ نساء آیت ۹۲ میں بیان ہوا ہے۔ وہ یہ کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے اور مقتول کے ورثاء کو دیت دی جائے۔ غلام نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک غلام نے ایک لونڈی کے ساتھ زبردستی بدکاری کی تو حضرت عمرؓ نے غلام کو کوڑے لگوائے اور جلا وطن کر دیا لیکن لونڈی پر حد جاری نہیں کی۔[1]

اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عورت کے ساتھ جبراً بدکاری کی گئی ہے تو جبر کرنے والے پر حد نافذ ہو گی اور عورت پر نافذ نہیں ہو گی۔

اس اصول کے تحت اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے کو بدکاری کرتے دیکھ کر اسے قتل کر دے اور بعد میں یہ معلوم ہو کہ اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تھی تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ راضی خوشی اس میں شریک تھی تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔[2]

فقہ حنفی میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا اپنی کسی محرم کے ساتھ کسی کو دیکھے اور دونوں بخوشی بدکاری کر رہے ہوں تو بغیر کسی پیشگی تنبیہ کے بھی اسے انھیں قتل کر دینے کا حق ہے۔[3]

امام ابن تیمیہ کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔[4]

دفاع میں تعاون

کسی کی جان، مال، عزت و آبرو یا بیوی بچوں پر حملہ ہو تو اسلام معاشرہ کی یہ اخلاقی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ جو شخص بھی اس حملہ کو روک سکتا ہو روکے اور مظلوم کی اپنی دفاع میں جو بھی مدد کر سکتا ہو کرے۔ اس سے آگے وہ اس کی بھی اجازت دیتا ہے کہ مظلوم کو بچانے کے لئے اگر اسے حملہ آور کی جان بھی لینی پڑے تو وہ لے

---

[1] موطا، کتاب الحدود، باب جامع ماجاء فی حد الزنا [2] المغنی ۸/۳۳۲

[3] در المختار ۳/۲۶۷ [4] فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۸/۱۶۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس کا ہر اقدام قانونی حدود کے اندر ہونا چاہئے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

کوئی شخص کسی کی جان و مال پر دست درازی کرے یا کسی عورت کی عصمت دری کرنا چاہے تو جس پر حملہ نہیں ہوا ہے اسے ان کو بچانے میں مدد کرنی چاہئے۔ اسی طرح اگر چور اور ڈاکو کسی قافلہ سے تعرض کریں تو جو لوگ قافلہ میں نہیں ہیں انھیں اس کی اجازت ہے کہ قافلہ والوں کا دفاع کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم" ایک اور حدیث میں ہے کہ "فتنہ پردازوں کے خلاف مومن ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں" اگر (ظلم کے خلاف) ایک دوسرے کا تعاون نہ ہو تو لوگوں کی جان اور مال سب ہی کچھ لٹ سکتا ہے۔ چور اور ڈاکو کسی کا مال چھین لیں اور دوسرا اس کی مدد نہ کرے تو وہ یکے بعد دیگرے سب ہی کا مال چھین لے جائیں گے۔ اسی طرح دوسرے دن کا معاملہ ہے"۔[1]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے۔

کوئی شخص کسی پر تلوار اٹھائے اور ایک دوسرا شخص حملہ آور کو قتل کردے تو قانوناً اس کی گرفت نہ ہوگی۔[2]

لیکن اس کے ساتھ قانون یہ بھی دیکھے گا کہ بلا وجہ کسی کی جان نہ لی گئی ہو۔ اگر ایک شخص حملہ کے بعد اس طرح بھاگ کھڑا ہو کہ دوبارہ اس کے حملہ کا اندیشہ نہ ہو تو جس پر حملہ ہوا ہے وہ یا کوئی دوسرا فرد اسے قتل کردے تو وہ مجرم ہوگا اور اسے بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[3]

جب کوئی شخص یہ دیکھے کہ چور کسی کے گھر سوراخ کر رہا ہے اور چیخنے چلانے

---

[1] المغنی ۸/۳۳۲ [2] در المختار مع رد المحتار ۵/۳۸۱ [3] حوالہ سابق ص ۳۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باوجود وہ بھاگ نہیں رہا ہے تو اس کے لئے اس کا قتل کر دینا جائز ہوگا۔[۱]

اگر آدمی یہ دیکھے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت کے ساتھ ہے اور اسے یقین ہو جائے کہ وہ شور کرنے، ڈرانے دھمکانے یا لاٹھی وغیرہ غیر مہلک ہتھیار استعمال کرنے سے عورت کو نہیں چھوڑے گا تو اسے وہ قتل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر قتل کئے بغیر اس کا بھگانا ممکن ہو تو قتل کرنا صحیح نہ ہوگا۔[۲]

یہی حکم ان بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کا ہے جن سے کہ دوسروں کو نقصان پہونچے کھلم کھلا اور علانیہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ عام افراد کے لئے اس کی حیثیت جواز کی ہے اور حکومت کے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔[۳]

یہ ایک فرد کی بات تھی۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ عام مسلم آبادی کے خلاف تلوار اٹھائے اور علانیہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری شروع کر دے تو قطع نظر اس کے کہ اس نے کس پر حملہ کیا اور کون اس کے حملہ سے محفوظ رہا یہ سب ہی کا فرض ہے کہ اسے اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ اس میں کسی طرح کی کامیابی نہ ہو تو اسے قتل کر دیں۔ جو شخص اسے قتل کرے اس پر دیت یا قصاص واجب نہیں ہوگی۔ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی کہتے ہیں اس کی ایک دلیل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

من شهر على المسلمين سيفاً فقد اطلّ دمه[۴]

جس شخص نے مسلمانوں کے خلاف تلوار کھینچی اس نے اپنا خون ضائع کیا۔ (اس کی قیمت نہیں رہی)

---

۱ حوالہ سابق ۲ در المختار مع رد المحتار ۲/۲۴۸ ۳ حوالہ سابق ص ۲۴۹

۴ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں نہیں آئی ہے البتہ اس کی ہم معنی روایات نسائی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے یہ کہ وہ اسلامی ریاست کا باغی ہے اور بغاوت کی وجہ سے وہ معصوم الدم نہیں رہا۔ لہٰذا اس کا خون بہایا جا سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس نے اپنے قتل پر خود ہی مجبور کر دیا کہ اس کے علاوہ جان بچانے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا۔[1]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ اسلامی ریاست میں جو حکم مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے والے کا ہے وہی حکم ذمیوں پر تلوار اٹھانے والے کا بھی ہے۔[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ذمیوں کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اگر قتل کئے بغیر اسے روکا نہ جا سکے تو ضروری ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

دفاع کرنے والے پر حملہ آور کے نقصان کی ذمہ داری نہیں ہے

دفاع میں حملہ آور کی جان بھی جا سکتی ہے۔ اس کا کوئی دوسرا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ نقصان اس کے حملہ کی وجہ سے ہو تو دفاع کرنے والے سے قصاص یا دیت نہیں لی جائے گی۔

حضرت عمران بن حصین رضؓ کی روایت ہے کہ دو اشخاص کے درمیان جھگڑا ہوا ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ لیا۔ اس نے اپنا ہاتھ زور سے کھینچا تو کاٹنے والے

اسحاق، حاکم اور طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں۔ من شھر سیفہ ثم وضعہ فدمہ ھدر۔ کتاب المحاربہ، باب من شھر سیفہ۔ (جس نے اپنی تلوار کھینچی اور اسے لوگوں کے درمیان خوں ریزی کے لئے استعمال کیا تو اس کا خون رائیگاں گیا) تفصیل کے لئے دیکھی جائے الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ ص ۳۶۳۔

[1] ہدایہ ۴/۵۲۴ [2] ۵۱۵/۴ ۔۔۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اگلے دونوں دانت گر پڑے۔ ان کا جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ جس کے دانت گرے تھے اس نے دیت کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص کسی کا ہاتھ اونٹ کی طرح چباتے تو کیا وہ خاموش ہو جائے۔ جاؤ اس کی کوئی دیت نہیں ہے[1]

اس حدیث سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد وغیرہ جمہور علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ دانتوں سے کاٹے اور اسے چھڑانے کی کوشش میں اس کے دانت ٹوٹ جائیں تو چھڑانے والے پر قصاص یا دیت واجب نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس کی نوعیت حملہ آور کے دفاع کی ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جس شخص کی وجہ سے کسی کے دانت ٹوٹے وہ اس کا ضامن ہوگا۔ امام مالک کی تائید میں جو دلیلیں دی گئی ہیں حافظ ابن حجر نے ان سب کی تردید کی ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ امام مالک تک غالباً یہ حدیث نہیں پہونچی ورنہ وہ نص کے مقابلہ میں قیاس سے کام نہ لیتے[2]

لیکن مالکیہ میں متاخرین نے اس حدیث کا موقع و محل متعین کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ کہا گیا ہے :۔

اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ دانتوں سے کاٹے اور وہ اپنا ہاتھ قصداً اس طرح کھینچے کہ کاٹنے والے کے دانت ٹوٹ پڑیں تو اس پر دیت واجب ہوگی۔ لیکن اگر وہ قصداً ایسا نہ کرے اور اس کے لئے یہ ممکن نہ ہو کہ اس کے دانت ٹوٹے بغیر اپنا ہاتھ موتھ سے چھڑا سکے تو اس پر دیت واجب نہیں ہوگی اس کی تائید میں مذکورہ بالا حدیث

---

[1] بخاری، کتاب الدیات، باب اذا عض الرجل فوقعت ثنایاہ۔ مسلم، کتاب القسامۃ، باب الصائل علی نفس الانسان۔

[2] ملاحظہ ہو شرح مسلم نووی ۲/ ۵۸ فتح الباری ۱۲/ ۱۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کی گئی ہے [1] یہی بات جمہور نے بھی کہی ہے ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ۔

جمہور کے نزدیک دفاع کرنے والے پر سے حملہ آور کے دانت ٹوٹنے کی ذمہ داری اس وقت ساقط ہوگی جب کہ دو شرطیں پائی جائیں ۔ ایک یہ کہ حملہ آور نے دانتوں سے اس طرح کاٹا ہو کہ دفاع کرنے والے نے اس کا درد اور تکلیف محسوس کی ہو ۔ دوسری شرط یہ کہ سختی سے ہاتھ چھڑانے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ کار نہ ہو ۔ مثال کے طور پر وہ حملہ آور کے موقع یا گال پر تھپیڑ مار کر اسے نکال نہ سکے ۔ اس امکان کے باوجود اس نے قصداً ہاتھ کو اس طرح چھڑانے کی کوشش کی کہ حملہ آور کے دانت گر پڑے تو اس کا اقدام معاف نہیں ہوگا [2]

بعض حضرات نے اس کی ایک خاص ترتیب بھی بیان کی ہے ۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ اس سے بعض دوسری الجھنیں پیدا ہوسکتی ہیں [3]

شوافع کے ہاں بھی ایک رائے یہ ہے کہ جو شخص کسی کو دانتوں سے کاٹ رہا ہو اسے اپنا ہاتھ کھینچنے کا مطلقاً حق حاصل ہے ۔ اس سے قطع نظر کہ وہ کوئی دوسرا آسان طریقہ اختیار کر سکتا ہے یا نہیں ؟ [4]

جس شخص کو اس طرح دانتوں سے کاٹا جائے وہ اپنے دفاع میں کاٹنے والے کو کسی بھی جگہ چوٹ پہونچا سکتا ہے ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :

ولو جرحه المعضوض	جس شخص کو دانتوں سے کاٹا گیا ہے
فی موضع اخر لم	وہ اگر کاٹنے والے کو کسی دوسری جگہ

---

[1] الشرح الصغیر علی اقرب المسالک ۴/۵۰۶ [2] فتح الباری ۱۲/۱۸۰

[3] المغنی ۸/۳۳۲ [4] علامہ شوکانی کا بھی یہی رجحان ہے نیل الاوطار ۷/۱۷۲ ۔ اگر کوئی شخص کسی کو دانتوں سے کاٹے تو اسے دفاع کس طرح کرنا چاہئے اس پر بحث ہو سکتی ہے لیکن جہاں تک دفاع میں ترتیب کا تعلق ہے وہ بہر حال ضروری ہے ۔ تفصیل آگے آرہی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یلزمہ شیئ[1] زخمی کردے تو اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔

دانت سے کاٹنا ایک مثال ہے جس کا زیر بحث حدیث میں ذکر آیا ہے۔ اس سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ حملہ کسی بھی نوعیت کا ہو آدمی کو دفاع کا حق ہے اور اس کے نتیجہ میں حملہ آور کا جو بھی نقصان ہو، حتیٰ کہ اس کی جان بھی چلی جائے تو دفاع کرنے والے پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

فیہ دفع الصائل	اس حدیث میں حملہ آور کے دفاع کا ثبوت
وانہ اذا لم یمکن الخلاص	ہے۔ حملہ آور کی جان لئے بغیر یا اس کے کسی
منہ الا بجنایۃ علی	عضو کو نقصان پہنچائے بغیر حملہ سے بچنے کا امکان
نفسہ او علی بعض	نہ ہونے کی صورت میں دفاع کرنے والا ایسا
اعضائہ ففعل بہ	کوئی اقدام کر گزرے تو اس کی ذمہ داری
ذالک کان ھدرا[2]	اس پر عائد نہ ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

.... کذالک الحکم فی	یہی حکم ہے جب کہ وہ ہاتھ کے علاوہ
ما اذا عضہ فی غیر یدہ	کسی اور جگہ اسے کاٹے یا کاٹنے کے
او عمل بہ عملاً غیر	علاوہ کوئی ایسا اقدام کرے جس کے
العض افضی الی تلف	نتیجہ میں حملہ آور کا کوئی نقصان ہو
شیئ من الفاعل	تو دفاع کرنے والا اس کا
لم یضمنہ[3]	ضامن نہ ہوگا۔

دفاعی اقدام میں الاسہل فالاسہل کا اصول

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث مال کے دفاع کے سلسلے میں گزر

[1] فتح الباری ۱۲/۱۸۰ [2] فتح الباری ۱۲/۱۸۰ [3] المغنی ۸/۳۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکی ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں ان الفاظ میں آئی ہے۔

یا رسول اللہ أرأیت	اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ان عدی علی مالی	اگر میرے مال کے ساتھ زیادتی ہو
قال انشد اللہ	(اسے چھیننے کی کوشش کی جائے) تو
قال فان ابوا علی	مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا
قال انشد اللہ	چھیننے والوں کو اللہ کا واسطہ دو
قال فان ابوا علی	اس نے عرض کیا۔ اگر وہ میری بات
قال قاتل فان	نہ مانیں تو کیا کیا جائے؟ آپ نے
قتلت ففی الجنۃ	فرمایا انھیں اللہ کا واسطہ دو۔ اس
وان قتلت	نے عرض کیا۔ پھر بھی وہ نہ مانیں تو کیا
ففی النار	کیا جائے؟ آپ نے فرمایا ان کا مقابلہ
	کرو۔ اگر تم مارے گئے تو جنت میں
	جاؤ گے اور اگر تم نے اسے قتل
	کر ڈالا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ دفاع میں الاسہل فالاسہل کے اصول پر عمل کیا جائے گا۔[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ دفاع کی جو آسان سے آسان تدبیر ممکن ہو وہ اختیار کی جائے گی۔ یہ تدبیر ناکافی یا غیر موثر ہو تو نسبتاً سخت طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ اگر یہ بھی غیر موثر یا بے سود محسوس ہو تو اس سے بھی سخت تدبیر اختیار کی جائے گی۔ اگر حملہ آور چیخ پکار سے فرار ہو سکتا ہو تو اسے لاٹھی مار کر بھگانے کی کوشش نہیں کی جائے گی یا اسے لاٹھی

---

[1] نیل الاوطار ۶/۴۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مار کر بھگا یا جا سکتا ہو تو تلوار سے اسے ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ علامہ شوکانی کہتے ہیں۔

ینبغی تقدیم الاخف	دفاع کا سب سے پہلے آسان طریقہ
فالاخف فلا یعدل	اختیار کرنا چاہئے پھر اس کے بعد نسبتاً
المدافع الی القتل	سخت طریقہ اختیار کیا جائے جب
مع امکان الدفع	تک قتل کے بغیر دفاع کا امکان موجود
بدونہ ویدل علی	ہے دفاع کرنے والا اقدام قتل
ذالك امرہ صلی اللہ	نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بانشاد	علیہ وسلم کا سائل کو یہ حکم دینا کہ قتال
اللہ قبل المقاتلۃ[1]	سے پہلے وہ حملہ آور کو اللہ کا واسطہ
	دے، اسی کی دلیل ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کے مکان میں گھس پڑے اور صاحب مکان کے للکارنے اور شور مچانے سے وہ نکل تو جائے تو صاحب مکان کو اس کی جان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ مقصود صرف یہی ہے کہ وہ مکان سے چلا جائے۔ اسی طرح اگر یہ معلوم ہو کہ لاٹھی اور ڈنڈے کے استعمال سے وہ بھاگ کھڑا ہو گا تو مہلک ہتھیار کے استعمال کی اسے اجازت نہیں ہو گی۔ اگر حملہ آور کو زخمی کر کے بےکار کر دیا جائے اور وہ حملہ کے قابل نہ رہے تو اس کو قتل کرنے کا حق نہ ہو گا۔ (اس احتیاط کے بعد) مقابلہ میں حملہ آور مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ دفاع کرنے والے سے کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ اس لئے کہ اس صورت میں گویا حملہ آور نے خود ہی صاحب مکان کو اس پر مجبور کیا تھا کہ اسے وہ قتل کر دے یا یوں کہا جائے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔[2]

---

[1] حوالہ سابق ص ۷۵ [2] تفصیل دیکھی جائے۔ المغنی ۸/۳۲۹ - ۳۳۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ حنفی میں ہے کہ اگر رات میں کوئی شخص کسی کے گھر گھس کر اس کا مال و اسباب اٹھا لے جانا چاہے تو اسے وہ قتل کر سکتا ہے۔ اسی طرح مال و اسباب لے کر بھاگے تو اس کا پیچھا کر کے بھی قتل کر سکتا ہے بشرطیکہ قتل کے سوا مال کے واپس لینے کی کوئی صورت نہ ہو[1]

یہی بات ان الفاظ میں بھی کہی گئی ہے۔

هذا اذا لم يعلم انه لو صاح عليه طرح ماله وان علم ذالك فقتله مع ذالك وجب عليه القصاص[2]

چور کو قتل کرنا اس وقت اس کے لیے صحیح ہوگا جب کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس کے شور و غل مچانے سے چور اس کا مال پھینک دے گا لیکن اگر یہ جاننے کے باوجود اسے وہ قتل کر دے تو اس پر قصاص واجب ہو جائے گا۔

اسلامی ریاست میں جو شخص مسلمانوں یا ذمیوں کے خلاف تلوار اٹھائے اس کا حکم اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس ذیل میں فقہ حنفی میں کہا گیا ہے۔

ويجب دفع من شهر سيفا على المسلمين ولو بقتله ان لم يمكن دفع ضرره الا به

جو شخص مسلمانوں کے خلاف تلوار کھینچے اس کا دفع کرنا ضروری ہے چاہے اس کے لئے اسے قتل کرنا ہی کیوں نہ پڑے بشرطیکہ کسی اور ذریعہ سے اس کے ضرر کو دفع کرنا ممکن نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اصلاً دفع ضرر واجب ہے، نہ کہ کسی کو قتل

---

[1] ہدایہ ۴/۵۶۵ [2] رد المحتار ۵/۴۸۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا اور جان لینا۔ اگر کسی کی جان لئے بغیر بھی دفع ضرر ممکن ہو تو اس کی جان ہرگز نہیں لی جائے گی۔ یہ اقدام صرف مجبوری ہی میں ہو سکتا ہے۔ [1]

کسی بھی اقدام کا فیصلہ حالات کے تحت ہوگا

یہ بات، کہ کس وقت کون سا دفاعی اقدام صحیح اور قانون کے تحت ہوگا اور کونسا اقدام غلط اور غیر قانونی قرار پائے گا اس کا فیصلہ حملہ کی نوعیت اور ان حالات کے پیش نظر ہوگا جن میں حملہ ہوا ہے۔

اگر کوئی شخص جان لینے کے ارادے سے کسی پر تلوار اٹھائے (یا کوئی مہلک ہتھیار استعمال کرے) تو اسے اپنے دفاع میں حملہ آور کو قتل کرنے کا حق ہے، خواہ حملہ آبادی میں ہو یا غیر آباد جگہ میں، رات میں ہو یا دن میں۔ اس لئے کہ اس میں تاخیر سے اس کی جان جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن اگر لاٹھی یا چھڑی یا کسی غیر مہلک ہتھیار سے حملہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ حملہ کہاں ہوا ہے اور کس وقت ہوا ہے؟ اگر حملہ آبادی میں ہوا اور دن میں ہو تو اسے حملہ آور کو قتل کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ مدد کے لئے دوسروں کو بلا سکتا ہے اور مدد کے پہونچنے تک اس کی جان جانے کا خطرہ نہیں ہے۔ لیکن اگر حملہ رات میں اور کسی سنسان جگہ میں ہو تو اسے اپنے دفاع میں حملہ آور کو قتل کرنے کا حق ہوگا۔ اس لئے کہ وہاں کسی مدد کا پہونچنا مشکل ہے۔ لاٹھی یا ڈنڈا اس قسم کا ہو کہ اس سے موت واقع ہو سکتی ہو تو امام ابویوسف اور امام محمد کے بقول یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ حملہ رات میں ہوا ہے یا دن میں۔ [2]

مال کے دفاع میں کسی چور اور ڈاکو کو اسی وقت قتل کیا جا سکتا ہے جب کہ (قرائن سے) یہ معلوم ہو کہ چیخنے چلانے سے وہ مال چھوڑ کر نہیں بھاگے گا۔ یہ جاننے

---

[1] در المختار مع رد المحتار ۵/۴۸۱ [2] ہدایہ ۴/۵۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باوجود کہ وہ ڈرانے دھمکانے اور شور مچانے سے بھاگ کھڑا ہوگا اسے قتل کر دیا جائے تو قاتل پر قصاص واجب ہوگا۔[1]

دفاعی اقدام کے لئے ثبوت چاہیئے

کسی بھی دفاعی اقدام کے لئے ثبوت کا پایا جانا ضروری ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ فلاں شخص اس کے گھر گھس آیا تھا اور اسے قتل کئے بغیر اسے بھگانے کی کوئی صورت نہیں تھی تو بغیر ثبوت کے اس کا یہ دعوی تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس بات سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مقتول چوری اور مکاری میں مشہور تھا یا نہیں؟ گواہوں کو اس امر کی گواہی دینی ہوگی کہ انھوں نے مقتول کو معروف قسم کے ہتھیار (جن سے کسی کی جان لی جا سکتی ہے) لے کر قاتل کی طرف پیش قدمی کرتے دیکھا اور قاتل نے اسے اپنے دفاع میں قتل کیا۔ لیکن اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ ہم نے اس شخص کو محض اس کے گھر جاتے دیکھا اور اسلحہ کا ذکر نہیں کیا یا اسلحہ کا ذکر کیا تو مشہور اسلحہ کا ذکر نہیں کیا تو اس سے قصاص ساقط نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ آدمی کسی کے گھر کسی بھی ضرورت سے داخل ہو سکتا ہے۔ محض کسی کے گھر داخل ہو جانے سے اس کا خون بہانا جائز نہیں ہو جاتا۔[2]

لیکن ایسے حالات ہو سکتے ہیں جن میں عینی شاہد موجود نہ ہوں۔ اگر اس اندیشہ سے کہ گواہی دینے والا کوئی موجود نہیں ہے آدمی دفاع نہ کرے تو اس کی جان اور مال کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ فقہ حنفی میں اسے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ

---

[1] در المختار مع رد المحتار ۵/۲۸۲ [2] المغنی ۸/۳۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر آدمی اس بات کا ثبوت فراہم کر دے کہ جو شخص گھر میں گھس آیا تھا اس نے اس سے رد و کد کی اور مقابلہ کیا تو اس کا اسے قتل کرنا صحیح ہوگا۔ اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ یہ ثبوت فراہم نہ کر سکے تو دیکھا جائے گا کہ جس شخص کو اس نے قتل کیا ہے وہ شر و فساد میں مشہور تھا یا نہیں؟ اگر وہ اس حیثیت سے مشہور نہیں تھا تو صاحب مکان سے قصاص لیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ اس پہلو سے مشہور تھا تو بھی قیاس یہی کہتا ہے کہ اس سے قصاص لیا جائے لیکن استحسان یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کو قاتل سے دیت دلوائی جائے کیوں کہ حالات نے قصاص کے بارے میں تو شبہ میں ڈال دیا ہے۔ کم از کم دیت میں کوئی شبہ نہیں ہے[1]

اگر دو آدمی لڑ کر ایک دوسرے کو زخمی کر دیں اور ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اپنے دفاع میں دوسرے کو زخمی کیا ہے تو ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ دونوں سے کہا جائیگا کہ وہ مخالف کے دعویٰ کے غلط ہونے پر قسم کھائیں۔ جب وہ قسم کھائیں تو ایک کو جو زخم پہونچا ہے اس کا ضمان دوسرے پر واجب ہوگا۔ اس لئے کہ ایک جو دعویٰ کر رہا ہے دوسرا اس کا منکر ہے۔ جب کہ اصل اس کا عدم وجود ہے[2]

دفاعی اقدام حملہ کے وقت ہوگا

دفاع کے سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جس وقت حملہ ہو اسی وقت دفاع ہوتا ہے۔ حملہ کے بعد دفاع کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

اگر کوئی شخص حملہ کر کے اس طرح پیچھے ہٹ جائے کہ دوبارہ اس کے حملہ کرنے کا اندیشہ نہ ہو تو جس پر حملہ ہوا ہے وہ یا کوئی دوسرا شخص آگے بڑھ کر اسے قتل کر دے تو قاتل پر قصاص واجب ہو جائے گا۔ اس لئے کہ جوں ہی حملہ آور پیچھے

---

[1] ردالمحتار ۵/۴۸۲ [2] المغنی ۸/۳۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہٹا اور حملہ سے باز آگیا تو جیسے وہ پہلے معصوم الدم تھا دوبارہ معصوم الدم ہو گیا، اس کے خون بہانے کا حق نہیں ہے [1]

البتہ پیچھے ہٹنے کے باوجود اگر وہ تلوار لئے ہوئے ہے اور اس کے دوبارہ حملہ کا اندیشہ ہے تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے [2]

خلاصۂ بحث

اس طرح اسلام مظلوم کے اندر یہ عزم و حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی جان، مال، عزت آبرو، بیوی، بچوں اہل خاندان اور اپنے دین و ایمان کو دوسروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑے بلکہ جور و تعدی جس طرف سے بھی ہو اس کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ وہ معاشرہ کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ظلم کے دفاع کے لئے خود بھی کھڑا ہو، دفاع میں مظلوم کا ساتھ دے اور ظلم کو مٹانے اور مظلوم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ پھر یہ کہ ظلم کے روکنے کے لئے مظلوم اور اس کے ساتھ پورا معاشرہ جو قدم اٹھائے اسے وہ قانوناً سند جواز عطا کرتا ہے تاکہ وہ کسی وقت بھی قانونی لحاظ سے خود کو بے بس اور مجبور نہ محسوس کریں۔ اسی کے ساتھ وہ اس بات کی بھی نگرانی کرتا ہے کہ خود مظلوم کسی مرحلہ میں ظالم نہ بننے پائے اور دفاع کے نام پر ظلم نہ کرنے لگے۔

---

[1] ہدایہ ۴/۵۶۵ [2] درالمختار مع ردالمحتار ۵/۴۶۲

قرآن مجید کا تعارف

اس کتاب میں قرآن مجید کے نزول، اس کی تدوین، اس کے کتاب الٰہی ہونے کے دلائل اور اسکی اہم اصطلاحات پر علمی انداز میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ مصنفہ: مولانا صدرالدین اصلاحی۔ قیمت ۲ روپئے

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی ۔ ۶

© rasailojaraid.com